جناب کریم الدین صاحب جدّہ

آخری قسط

قرآن حکیم بائبل اور جدید سائنس

۴۲ صفحہ ۴۲، ۴۳، ۴۳۔ ڈاکٹر صاحب سورہ علق میں عَلَق کا ترجمہ "چمٹنے والی چیز" کرتے ہیں اور اس پر مُصر ہیں کہ اس لفظ کو اس کے اصل مفہوم کے علاوہ کسی اور انداز میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو "وابستگی" کے مفہوم میں استعمال کرنا (جیسا بلاشے صاحب نے کیا ہے) یا اس کا ترجمہ "لختۂ خون" کے طور پر کرنا (جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن کیا ہے) غلط نظر آتا ہے یہ دونوں ہی مشتق معانی ہیں جو موجودہ متن (سورہ علق) میں بے جوڑ دکھائی دیتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ اپنے ان اقوال کے باوجود انہوں نے آیت ۱۴ سورہ مومنون کے ترجمہ میں خود بھی عَلَق کا ترجمہ "خون کے لوتھڑے" ہی کیا ہے۔ پھر سورہ علق میں کسی مفسر نے علق کا یہی مفہوم اختیار کیا۔ تو اس کے غلط اور بے جوڑ ہونے کا سوال کیوں پیدا ہوا؟ دراصل "خون بستہ" تو علق کی ماہیت یا حقیقت ہے اور "چمٹنے والی" ہونا اس کی صفت ہے جس کے اعتبار سے اس کے معنی "جونک" بھی ہیں۔ بہر حال یہ متفق علیہ حقیقت ہے کہ استقرار حمل کے بعد علق ہی پہلی شکل ہے جو نطفہ رحم میں اختیار کرتا ہے اور یہیں تو اس کا ترجمہ "خون کے لوتھڑے" یا "خون بستہ" سے کیا جانا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے باقی ڈاکٹر صاحب اگر ان تمام معلومات کے باوجود سورہ علق میں اس کا ترجمہ "چمٹنے والی چیز" سے کرنا ہی پسند فرماتے ہیں تو ہمیں ان سے مناقشہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن انہیں عام مفسرین کے ترجمہ کو بھی غلط نہ کہنا چاہیئے۔

۴۳ صفحہ ۴۴۔ ڈاکٹر صاحب نے سورہ حج کی آیت ۵ میں آئے ہوئے مُخَلَّقَةٍ وغیر مُخَلَّقَةٍ "جو تناسب میں ہوتی ہے اور کبھی تناسب سے باہر" قدرے غلط اور بعد اکیا ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے۔

"کہ (بعض) پوری ہوتی ہے (یعنی اس میں پورے اعضا بن جاتے ہیں) اور (بعض) ادھوری بھی رہ ہوتی ہے کہ بعض اعضا ناقص رہ جاتے ہیں۔" (بیان القرآن)

۴۴ صفحہ ۴۸۔ "بائبل کے برعکس قرآن ایک ایسے سیلاب کا ذکر کرتا ہے جو نوحؑ کی امت تک محدود تھا۔" ایسا نہیں ہے بلکہ بائبل کی طرح قرآن سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ کہ سیلاب روئے زمین کی پوری انسانی آبادی پر آیا تھا جس کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایسی ہی دعا کی تھی۔

وقال نوح رب لاتذر علی الارض من الکفرین دیاراً انک ان تذرهم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجراً کفاراً ۔ جو قبول ہوئی ہو گی پوری کی پوری۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ساتھ ہی حسب عادت قرآن دعا کے غلط جزو پر تنبیہ فرماتے دوسرا ثبوت یہ ہے کہ دنیا کی ہر مہذب قوم کے قدیم لٹریچر میں اس طوفان کا کسی نہ کسی شکل میں ذکر ملتا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اس زمانہ میں انسانی آبادی ہی بحر روم اور بحیرہ قلزم کے آس پاس کے خطوں میں محدود رہی ہو۔ اور بائبل کا یہ بیان صحیح نہ ہو کہ یہ سیلاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے صرف تین سو سال قبل آیا تھا۔ بہرحال طوفان کے عالمگیر ہونے کی حد تک بائبل کا بیان قرآن کے خلاف نہیں۔ اور ڈاکٹر صاحب کا خیال غلط معلوم ہوتا ہے :۔

(۳) صفحہ ۱۴۱۔ بائبل کے متن کی حقیقی تالیف و ترتیب میں انسان نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے (لیکن) قرآن کی تاریخ بالکل مختلف ہے۔ قرآن وحی کے نزول کے ساتھ لکھا اور زبانی یاد کیا جاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مستقند ہونے کے متعلق کوئی گمان نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کا معروضی مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ جدید علم سائنس اور قرآنی متن کے درمیان کہیں کوئی اختلاف موجود نہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت اس امکان کو ناقابل یقین بنا دیتی ہے کہ آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں علوم کی جو عام کیفیت تھی، کوئی شخص اس قسم کے قرآنی بیانات کا مصنف بن سکتا۔ یہی وہ حقائق ہیں جو قرآنی وحی کو ایک یکتا مقام عطا کرتے ہیں۔ اور ایک غیر جانب دار سائنسدان کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ ان قرآنی بیانات کے سلسلہ میں محض مادہ پرستانہ دلائل پر مبنی کسی قسم کی وضاحت پیش نہ کر سکنے کا اعتراف کرے۔ میرے نزدیک یہ حقائق بشری فہم و فراست کے لئے ایک جائز چیلنج ہیں۔

ہمیں انتہائی حیرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب قرآن کو غیر تحریف شدہ مسلم الثبوت اور واحد الہامی کتاب مانتے ہوئے اس کے احکام و مطالبات سے اعراض برت رہے ہیں۔ انہیں اولین فرصت میں دل سے کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں۔ اگر خدانخواستہ اب تک دولت ایمان سے محروم ہوں۔ دل تو یہی کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں لیکن کان اس خبر کو سننے کے ابھی منتظر ہیں۔ خدا کرے جلد یہ انتظار ختم ہو جائے۔ آمین (بحمد اللہ اب وہ مسلمان ہیں جیسا کہ مشہور ہے۔

کتابچہ "قرآن حکیم اور جدید سائنس" پر تبصرہ تو بحمد اللہ ہو گیا۔ اب احقر حسب وعدہ قرآنی آیتوں کی سائنسی تفاسیر کرنے کے خطرناک نتائج پیش کرتا ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام ان پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

آیاتِ قرآنیہ کی تفاسیر کو علوم جدیدہ پر منطبق کرنے کے خطرناک نتائج | قرآنی آیتوں کی سائنسی تفسیریں نہ صرف غیر ضروری اور عوام کے لئے ناقابلِ فہم ہونے کی وجہ سے بیکار محض ہیں بلکہ وہ خطرات ذیل کو بھی متضمن ہیں۔

۱۔ تفسیر بالرائے کا لازم آنا | قرآن کی جو تفسیر کسی مسلمہ عقیدے کو بدل دے، جو لغت، گرامر اور محاورہ سے

پوری مطابقت نہ رکھے جو قرآن کے مخاطبین اولین یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بھی نہ سمجھی ہو یا جو قرآن کی آیتوں کے خلاف پڑتی ہو۔ تفسیر بالرائے ہے جس کے متعلق احادیث میں وعیدیں آئی ہیں۔ سائنسی تفاسیر میں یہ سب بد عنوانیاں متحمل ہیں۔ اس لئے ایسے مفسرین محل وعید ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے میری طرف کوئی غلط منسوب کی اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرنا چاہیئے۔ پھر غور کرنے کی بات ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف وہ باتیں منسوب کی جائیں جو انہوں نے نہ فرمائی ہوں تو ان پر اس سے بھی زیادہ سزا کیوں نہ لازم آئے گی۔

۲۔ ضعف ایمان کا خطرہ دو طرح پر، اول تو اس طرح کہ اگر کوئی سائنسی نظریہ مستقبل میں غلط ثابت ہوا جو کوئی غیر معمولی اور عجیب بات نہیں چنانچہ متعدد نظریات غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر خود ڈاکٹر بکائی صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ تو جو تفسیر کسی آیت کی موجودہ نظریہ کے مطابق کی گئی ہے۔ اس میں جدید انکشاف کے مطابق ترمیم کرنی پڑے گی۔ اور عوام کا اعتماد تفاسیر کی صحت سے اٹھ جائے گا۔ بعض یہ بھی خیال کریں گے کہ یہ کیسا اللہ کا کلام تھا جو غلط ثابت ہوا؟ ظاہر ہے کہ دونوں صورتیں تضعیف ایمان کا باعث ہیں۔ دوسری طرح سے ضعف ایمان یوں متحمل ہے کہ جب کوئی شخص یہ سوچے گا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایسی باتیں فرمائیں جو مخاطبین اولین کے فہم سے بالاتر تھیں جس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو یہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ لوگوں کے معیار فہم کا اندازہ نہ تھا یا پھر قصداً اس چیز کو نظر انداز کر دیا۔ چونکہ دونوں ہی صورتیں اللہ تعالیٰ کے بارہ میں محال ہیں پس لامحالہ اس کو یہی ماننا پڑے گا کہ قرآن الہامی کتاب نہیں۔

۳۔ اغیار کی طعنہ زنی اغیار یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہمارا احسان مانو کہ ہماری ہی بدولت تم کو بعض قرآنی آیات کا صحیح مطلب معلوم ہوا ورنہ گذشتہ چودہ سو سال تک تم سب جہالت ہی میں مبتلا رہے۔ کیا یہ حق بجانب طعنہ زنی مسلمانوں کے لئے انتہائی شرمناک نہ ہوگی؟ اور کیا اس سے حضورؐ، صحابہ کرامؓ اور جملہ مفسرین کی توہین (بواسطہ تجہیل) لازم نہ آئے گی؟ اس سے بھی ضعف ایمان متحمل ہے۔

بعض مسلم سائنسدان اسلام کے ناداں دوست ہیں خطرات بالا کے پیش نظر مسلمانوں کو آیات قرآنی کی سائنسی تفاسیر سے احتراز لازم تھا مگر افسوس ہے کہ ان کے سائنسدانوں میں یہ غلط رجحان پیدا ہو چکا ہے اور ترقی پذیر ہے۔ تفسیری صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے یہ حضرات باوجود اپنی نیک نیتی کے قرآن پر ظلم کر کے اسلام اور مسلمانوں کو ایسا ضرر پہنچا رہے ہیں جو مخالفین بھی نہیں پہنچا سکتے۔ بلاشبہ ان کی حالت "دوستی بے خبر چوں دشمنی" کے مصداق ہے۔ چنانچہ رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ کے انگریزی ماہنامہ بابت دسمبر ۱۹۷۶ء میں اسلامی کائنات کے زیر عنوان ڈاکٹر نظام احمیر محمد صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں سورج، چاند، ستاروں اور کہکشانوں کے متعلق جدید ترین سائنسی معلومات دے کر یہ نتیجہ نکالا تھا کہ جو انکشافات سائنسدانوں

کو اب ہوئے ہیں، قرآن نے ان کو چودہ سو سال پیشتر بتا دیا تھا۔ اس مضمون میں انہوں نے قرآنی آیات کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر سائنسی انکشافات و نظریات کے مطابق بنایا تھا۔ اسی ماہنامہ کے دسمبر ۱۹۷۰ء کے شمارہ میں دو مسلم سائنسدانوں کے مضامین چھپے تھے۔ ایک ڈاکٹر ظہیر الدین صدیقی صاحب کا جس کا عنوان تھا "قرآن کے الہامی کتاب ہونے پر میرا عقیدہ" اور دوسرا جناب علوی الحسین صاحب کا بعنوان "اسلام کا پیغام اور سائنسی شہادت" دونوں میں بحیثیت مجموعی مندرجہ ذیل سائنسی معلومات کا وجود قرآن میں ثابت کیا گیا تھا (یہاں ہم ان پر مختصر تبصرہ بھی دے رہے ہیں کسور کے شمار کنندے سورہ نمبر اور نسب نما آیت نمبر ظاہر کرتے ہیں)

۱۔ "پیڑ پودوں میں جنسیات کا وجود ہے یعنی ان کا تولد و تناسل بھی حیوانات کی طرح تزویج کے ذریعہ ہوتا ہے" (۳۶/۳۶، ۵۱/۴۹، ۲۲/۵) سائنسی نظریہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن قرآن کی ان آیتوں یا کسی بھی آیت سے یہ ثابت نہیں۔ البتہ قرآن اس کی تردید بھی نہیں کرتا۔

۲۔ چاند خود روشن نہیں ہے بلکہ اس کی روشنی سورج سے مستعار ہے (۷۱/۱۶) یہ نظریہ بھی صحیح ہے مگر ان آیتوں سے ہرگز ثابت نہیں۔ لیکن قرآن نے چاند کو نورانی اور سورج کو چراغ کہا ہے۔ اس سے البتہ سائنسی نظریہ کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

۳۔ سیارات کے مداروں کے لئے قرآن نے بڑا مناسب لفظ فلک استعمال کیا ہے۔ کیونکہ جدید سائنسی انکشافات سے بھی ان کا بجائے گول ہونے کے بیضاوی ہونا ثابت ہے۔ (۳۶/۴۰۔ ۲۱/۳۳) قرآن نے سارے ہی اجرام فلکی کے مداروں کو فلک کہا ہے جس کے معنی بیضاوی کسی لغت سے ثابت نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ گول اور بیضاوی دونوں کے لئے استعمال کر لیا جائے۔ اور جس جرم فلکی کو سائنسی زبان یا اصطلاح میں "سیارہ" کہتے ہیں۔ اس کا تو قرآن میں ذکر ہی نہیں بلکہ قرآن کی زبان میں تو سارے ہی اجرام فلکی سیارے ہیں۔ کیونکہ سب ہی خلا میں گھوم رہے ہیں۔ کلٌّ فی فلکٍ یسبحون۔

۴۔ "خلائی سفر ممکن ہے" (۵۵/۳۳) اس کے قرآن کے ثابت نہ ہونے پر گذشتہ صفحات میں کافی بحث آچکی ہے کہ یہ آیت خلائی سفر سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتی۔ تبصرہ کا نمبر ۲۵ ملاحظہ فرمائیے۔

۵۔ ابتدائے آفرینش میں زمین و آسمان آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ بعد میں الگ الگ کئے گئے (۲۱/۳۰) آیت کی یہ تفسیر قطعاً غلط ہے۔ جیسا کہ تبصرہ کے نمبر ۱۵ میں بالتفصیل ثابت کیا جا چکا ہے۔ ویسے سائنسی نظریہ اس معنی کا درست ہے۔ کہ ساری کائنات کا مادہ ایک ہی ہے۔

۶۔ "تمام جاندار پانی سے پیدا کئے گئے"، (۲۱/۳۰، ۲۴/۴۵) یہ قرآن کا نظریہ ہے جس کا پورا انطباق سائنسی (ملتے جلتے) نظریہ پر نہیں ہوتا۔ دیکھئے تبصرہ نمبر ۱۔

۷۔ "زمین کے علاوہ دوسرے سیاروں پر بھی جانداروں کی موجودگی"، (۴۲/۲۹) آیت سے زمین و آسمان میں دو آب

کا پھیلانا ضرور معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آسمانوں کے سیارات ہونے یا سمجھے جانے کی کیا دلیل ہے؟ سائنسدانوں کے نزدیک آسمان سے مراد عالم بالا ہے جو ستاروں سیاروں اور کہکشانوں کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔ آیت کی تفسیر میں علمار محققین نے لکھا ہے کہ :-

بَثَّ فِیہِمَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ سے مراد مطلق ذی روح لیا جائے تو کچھ اشکال نہیں کیونکہ آسمانوں میں ملائکہ موجود ہی ہیں۔ اگر جانور مراد لئے جائیں تو ایک توجیہہ تو یہ ہے کہ فِیہِمَا کا مطلب فی مجموعہما یعنی "زمین و آسمان کے مجموعہ میں" سمجھا جائے۔ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ احادیث میں جنت میں پرندوں اور یاقوتی گھوڑوں کا ہونا ثابت ہے اور جنت فی الحال موجود ہے۔ پس کچھ اشکال نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ آیت کی تفسیر سائنسی نظریہ پر (جو محض ظنّی ہے) اس وقت تک منطبق نہ ہوگی جب تک سارے اجرام فلکی کا آسمان ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ کہ قرآن میں آسمانوں کے لئے سات کا عدد محض جمع یا کثرت ظاہر کرنے کے لئے آیا ہے۔ جو ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ قرآن کی متعدد آیتوں میں آسمانوں کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ ہرگز ستاروں سیاروں پر منطبق نہیں ہوتیں۔

۸۔ "تمام اجرام فلکی معہ زمین کے غالباً ہائیڈروجن سے بنے ہیں" (۴۱/۱۱) آیت میں آسمانوں کا، نہ کہ ساری کائنات کا، دھوئیں جیسی چیز سے بنائے جانے کا ذکر ضرور ہے۔ لیکن آسمانوں سے مراد زمین کے علاوہ سارے اجرام فلکی (جن کا شمار ممکن نہیں) ہونے اور دھوئیں جیسی چیز کے ہائیڈروجن ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

۹۔ "خلا میں آکسیجن یا ہوا نہیں ہے اس لئے وہاں آدمی کا دم گھٹنے لگتا ہے۔" (۶/۱۲۵) آیت سے محض ایک مضحکہ خیز استنباط۔

۱۰۔ "خلائی سفر میں شہاب کی بارش سے جل جانے کا خطرہ" (۵۵/۳۵) یہ بھی آیت سے ایک مضحکہ خیز استنباط ہے کیونکہ آیت قیامت کے متعلق ہے۔ نہ کہ خلائی سفر کے (جس کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں) اور اس سے زیادہ مضحکہ خیز آیت کا ترجمہ ہے جو صاحب مضمون نے کیا ہے یعنی "اے جنو اور انسانو! تم دونوں کے برخلاف آگ کی تپش اور پیتل کی چمک بھیجی جائے گی اور تم بچ کر نہ جا سکو گے۔" بھلا کچھ ٹھکانہ ہے اس بے ہودگی کا؟ افسوس ہے کہ یہ حضرات اپنی ہمہ دانی کے زعم میں کسی اچھے عالم یا اچھی تفسیر سے قرآن فہمی کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے۔

قارئین کرام ذرا غور فرمائیں کہ اس طرح ان دونوں سائنسدانوں نے مندرجہ بالا دس سائنسی انکشافات کو قرآن پر منطبق کرنے میں محولہ چودہ قرآنی آیتوں کی تفسیر میں تحریف کی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ بلا کچھ نہ کچھ تحریف کے یہ کام ہو بھی نہیں سکتا۔ یا تو آیت کی غلط تفسیر کرنی پڑے گی۔ یا صحیح تفسیر کا مفہوم بدلنا ہوگا۔ اول الذکر سائنسدان یعنی ڈاکٹر نظام الدین محمد صاحب نے بھی اپنے مضمون میں مندرجہ بالا سائنسی دعاوی میں سے بعض کا ذکر کرنے کے علاوہ سائنس سے قیامت کا امکان ثابت کرتے ہوئے بزعم خود اسے قرآنی بیان کے مطابق ٹھہرایا ہے، فرماتے ہیں :-

۱۱۔ "ہماری گرم اور روشن ستاروں والی کائنات ایک سرد، سکڑے ہوئے اور موت کی آغوش میں لیٹے ہوئے ستاروں والی کائنات میں بدل جائے گی۔ ہمارے سورج کا ریڈیائی ایندھن جس کے برابر جلتے رہنے سے وہ گرم رہتا تھا ختم ہو جائے گا اور آخر کار وہ ایک سکڑا ہوا اور انتہائی ثقیل یعنی مردہ ستارہ ہو جائے گا۔ اسی حالت کا بیان قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے۔

" اور جب سورج تہہ کر دیا جائے گا اور ستارے خاکی رنگ کے ہو جائیں گے" (سورہ تکویر آیت ۱، ۲)

یہاں پر یہ عمل قابلِ غور ہے کہ قرآن نے یہ بیان چودہ سو سال قبل دیا تھا جب کہ سائنس ہمارے نظامِ شمسی کے انجام سے محض ناواقف تھا"

آگے فرماتے ہیں۔ "سورج ایک مردہ ستارہ بن جانے پر زمین اس قدر سرد ہو جائے گی کہ اس پر زندگی کا وجود ناممکن ہوگا۔ زمین کا یہ انجام یقینی ہے۔ اگر اس کے قبل ہی، کسی شمسی دھماکے سے برباد نہ ہو چکی ہو جو سورج کی (طبیعی) موت سے قبل واقع ہو سکتا ہے" ہمیں حیرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان سائنسی انکشافات کو جو محض ظن و تخمین پر مبنی ہیں۔ قرآن کے بیان کے مطابق بتا رہے ہیں۔ حالاں کہ قرآن کے بیان سے قیامت کے روز بھی زمین کا اسی طرح آباد ہونا ثابت ہے جیسی کہ وہ فی الحال ہے یعنی نہ وہ سرد ہو چکی ہو گی اور نہ کسی شمسی دھماکہ سے برباد و معدوم۔ کم سے کم وہ اتنا تو سوچ لیتے کہ اگر قیامت کا وقوع مذکورہ سائنسی انکشافات کے مطابق ہو تو صورِ اسرافیل کی کیا اہمیت اور حقیقت باقی رہ جائے گی؟ ڈاکٹر صاحب نے ان آیتوں کا ترجمہ بھی صحیح نہیں کیا۔ پہلی آیت کے شروع میں لفظ "اور" زائد ہے۔ نیز انکدرت کا مطلب یہاں "خاکی رنگ کا یا مٹیالا" ہو جانا نہیں۔ مصدر انکدار جب ستاروں کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی بکھر جانا یا جھڑ پڑنا ہوتے ہیں۔ مگر یہ مطلب سائنسی معلومات کے مطابق نہ رہتا۔

ڈاکٹر صاحب نے وقوعِ قیامت کے متعلق دوسری صورتیں بھی سائنسدانوں کے مختلف خیالات کے مطابق بیان فرمائی ہیں۔ اور زبردستی ان کو بعض آیاتِ قرآنیہ کے مطابق بھی بنایا ہے۔ جب کہ کوئی صورت بھی قرآن کے مطابق نہیں۔ اور افسوس ہے کہ مختلف قسم کی ان ظنی اور تخمینی باتوں کو جو مختلف علیہ بھی نہیں ڈاکٹر صاحب نے اسلامی علم کائنات کا عنوان دیا ہے۔

بعض علماء کا ناپسندیدہ رویہ اہلِ علم حضرات کا فرض تھا کہ وہ مسلم سائنسدانوں کے اس غلط رجحان کے خلاف مؤثر انداز میں قلم اٹھاتے۔ حتیٰ کہ ان کی سمجھ میں آجاتا کہ سائنسی نظریات و انکشافات کو قرآنی آیات کی تفاسیر پر منطبق کرنا مسلمانوں کے لئے مضر ہے اور یہ کہ بہترین تفسیر کسی آیت کی وہی ہے جو قرآن کے مخاطبین اولین کی سمجھ میں آسکتی ہو کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے لوگوں کے معیارِ فہم کی رعایت اپنے کلام میں رکھی ہوگی۔ نیز ایسی ہی تفاسیر ہر زمانہ کے عوام کے لئے (جو ہمیشہ اکثریت میں ہوتے ہیں) بھی قابلِ فہم ہو سکتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بجائے سائنسدانوں کی

اصلاح کے دعوے خود (یعنی ان میں کے وہ افراد جو علوم جدیدہ سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں) تقریباً اسی قسم کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ احقر نے ماہنامہ "البلاغ" کراچی کے ۱۹۸۱ کے شماروں میں مولانا محمد شہاب الدین ندوی ناظم فرقانیہ اکیڈمی بنگلور بھارت کے ایک طویل مضمون "قرآن مجید اور علم حیاتیات" کی صرف چھ قسطیں پڑھی ہیں۔ جو تقریباً چالیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں اور جن میں موصوف نے سورہ اعلیٰ کی صرف تین ابتدائی آیات یعنی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ۝ کی تفسیر کی ہے خدا جانے وہ ان چھ قسطوں میں بھی پوری ہوئی یا نہیں۔ کیونکہ باقی اقساط احقر کو دیکھنے کو نہیں ملیں۔ ان آیات کا تفسیری ترجمہ بیان القرآن کے مطابق یہ ہے۔

"اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ (اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں) اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح (و تقدیس) کیجئے۔ ا۔جس نے (ہر شے کو) بنایا پھر (اس کو) ٹھیک بنایا (یعنی ہر شے کو مناسب طور پر بنایا)۔ ۲۔اور جس نے (جانداروں کے لئے ان کے مناسب چیزوں یعنی ان کے رہنے سہنے کا طریقہ، حصول خوراک اور بقائے نسل وغیرہ کو) تجویز کیا۔ پھر (ان جانداروں کو ان چیزوں کی طرف) راہ بتائی (یعنی ان کے طبائع کو ان اشیاء کی طرف راغب کر دیا)

جو عام فہم اور تسلی بخش ہے۔ یعنی اس کو پڑھ کر ان آیات کا مطلب ایسا واضح ہو جاتا ہے کہ کسی قسم کی تشنگی نہ کسی عامی کو باقی رہ سکتی ہے اور نہ کسی بڑے سے بڑے سائنسدان کو۔ لیکن اگر غیر ضروری تفصیلات و تشریحات کو "بہتر تفسیر" کا لقب دے کر (احقر کے نزدیک بات کا بتنگڑ بنا کر) پیش کیا جائے۔ تو واقعی دفتر کے دفتر ناکافی ہوں گے۔ اور اگر حشو و زوائد کو کلام الٰہی کے عجائبات میں شمار کیا جائے تو ایسے عجائبات تو ہر جاہل سے جاہل (بلا تخصیص مومن و کافر) کے کلام میں بھی مل سکتے ہیں۔ مثلاً میں کہوں کہ فلاں نے کھانا کھایا تو کھانے کی تفصیل میں تمام علوم جدیدہ کا ذکر اور ان کے مسائل بیان کئے جا سکتے ہیں۔

فاضل مضمون نگار نے تو آیات مذکورہ کی تشریح میں صرف علم حیاتیات ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن یہ ذکر ایسا ہی ہوگا جیسا کسی کے سوال کرنے پر کسی نے اپنی یہ کنیت بتائی تھی "ایسے خدا کے بندہ کا بیٹا جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ روز میں پیدا کیا۔ اور تھکان نے اس کو چھوا تک نہیں۔

میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ضرورت کے مواقع پر بھی تفصیل و تشریح نہ کی جائے، بلکہ ضرور کی جائے۔ لیکن ضرورت کا موقع وہ ہے جہاں لفظی ترجمہ باعث اشکال ہو، یا باعث اشکال تو نہ ہو لیکن اس سے شرح صدر نہ ہو یا شرح صدر ہو بھی جائے لیکن حسن ظنی اور اعتقادی حد تک۔ جس کو کسی معروف مثال کے ذریعہ حق الیقین میں بدلا جا سکتا ہو۔ پہلے موقع کی مثالیں اس قسم کی آیات ہو سکتی ہیں۔ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (اس سے ایصال ثواب کی نفی ہوتی ہے حالانکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے) أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ (سے اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا معلوم ہوتا ہے

حالانکہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ وإن تعودوا نعد یہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے بعد کفار مکہ سے خطاب کیا ہے کہ اگر تم پھر ایسا ہی کرو گے یعنی مسلمانوں سے قتال تو ہم بھی پھر ایسا ہی کریں گے۔ یعنی تم کو مغلوب اور مسلمانوں کو غالب۔ لیکن اگلے سال جنگ احد میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے خلاف ہوا۔ یعنی کفار غالب آئے تو کفار کے اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ معاذ اللہ، خلاف حقیقت ہی رہا۔ وجہ خواہ کچھ بھی ہو۔

ربط آیات بیان کر دینے کے مواقع بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔

مثلاً سورہ ماعون میں آیت فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ میں کلمہ فا کی مناسب توجیہ ضروری ہے ورنہ اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ دوسرے موقعہ کی مثالیں اس قسم کی آیتیں ہیں۔ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا۔ یہاں صَبًّا اور شَقًّا مفعول مطلق اپنے اپنے افعال کے "عجیب طور پر" انجام دیے جانے کو ظاہر کرتے ہیں۔ پس شرح صدر کے لئے "عجیب طور" کی کچھ تشریح کر دینا بہتر ہے۔

تیسرے موقعہ کی مثال میں یہی آیت خَلَقَ فَسَوَّىٰ پیش کی جا سکتی ہے۔ جس پر لفظ فَسَوَّىٰ کا مطلب "مناسب طور سے بنایا" ہے جس کو اعتقاداً سبھی جانتے اور مانتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو اگر کسی مناسب مثال سے واضح کر دیا جائے مثلاً مخاطب کا ذہن اس کے دانتوں کی طرف منتقل کر کے یہ بتایا جائے کہ یہ تین قسم کے ہیں۔ سامنے کے دانت، کیلے یا کچلیاں اور داڑھیں مضبوطی کی ضرورت کے مطابق ان کی جڑیں بھی ترتیب سے ایک ایک دو دو اور تین تین ہوتی ہیں۔ پھر بھی یہ غور طلب ہے کہ داڑھیں جن سے لقمہ چبایا جاتا ہے برابروں میں پوشیدہ ہیں اگر سامنے ہوتیں تو کسی کو کھانا کھاتے ہوئے بڑا گھن آتا۔ سر، داڑھی، مونچھ، بھویں اور جسم کے بال بظاہر یکساں نظر آتے ہیں مگر خاصیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مثلاً سب کے بڑھنے کی حد مختلف ہے۔ جسم کا رواں اور بھویں بھی اگر سر یا داڑھی کے بالوں کی طرح بڑھا کرتیں تو ان کو چھوٹا کرنے میں پریشانی ہوتی۔ اس قسم کی لاکھوں مثالوں میں سے ایک دو کا مختصر بیان کر دینا علم الیقین کو ایک دم حق الیقین میں بدل دینے کے لئے کافی ہے بیالوجی کی طویل تفصیلات میں پڑنے مثلاً یہ بتانے کہ کلوڈین کا تناسب روئی کے ریشہ میں اتنے فیصد جو، سیم، آلو گنے اور برسیم میں اتنے اتنے فیصد ہے بالکل غیر ضروری اور نامناسب ہے۔ جیسا کہ فاضل مضمون نگار نے کیا ہے۔

فاضل مضمون نگار صاحب کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ایسی تفسیر جس میں تین انتہائی مختصر آیتوں کا بیان زائد از چالیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پڑھنے کے لئے وہی شخص وقت دے سکتا ہے جو کم از کم فکر معاش سے فارغ ہو۔ اور سارے ہی

---

[1] اسی لئے مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے فرمایا ہے کہ عامۃ المسلمین کے لئے تفسیر وہی بہتر ہے جو مختصر ہو۔ لہٰذا انہوں نے موضح القرآن کو بہترین تفسیر کہا ہے شاید اس وقت تک بیان القرآن نہ شائع ہوئی ہو جو مختصر ہونے کے ساتھ موضح القرآن پر فوقیت رکھتی ہے۔

علوم جدیدہ پڑھا ہوا ہو۔ کیونکہ فاضل مضمون نگار کے خیال سے قرآن حکیم میں مختلف علوم وفنون سے متعلق بے شمار اشارے کنائے موجود ہیں۔ جن کو سمجھنے کے لئے متعلقہ علوم اور ان کی تفصیلات سے بحث کرنا پڑتا ہے نیز ان کے خیال سے تبیاناً لکل شئی "، کا مطلب ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے۔ حالاں کہ علمائے محققین نے "ہر چیز" سے مراد "ہر چیز متعلقہ دین" لی ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ" اس کتاب حکمت میں جس علم وفن کا بھی ماہر گہری اور عمیق نظر ڈالے گا اسی قدر اس کی عظمت و جلال کے نقوش اس پر مرتسم ہو جائیں گے "۔ ہماری موٹی سمجھ میں تو یہ بات آتی نہیں کہ ماہر گھڑی ساز ایک مکینیکل انجینیر۔ ایک ماہر خیاط۔ ایک پائلٹ (ہوائی جہاز چلانے والا) ایک ماہر بریانیات وغیرہ، اپنے علوم و فنون کے متعلق قرآن میں کیا معلومات پائیں گے جس سے قرآن کی عظمت و جلال کے نقوش ان پر مرتسم ہو جائیں؟ بہر حال اس طویل مضمون میں تفسیر آیات سے متعلق سوائے تسویہ اور نظام حیات کی بعض مثالوں کے کوئی کام کی بات نظر نہ آئی۔ یہ مثالیں بھی بیالوجی کی کتابوں سے ماخوذ نہیں ہیں جس سے اس علم کی غیر متعلقہ معلومات سے اس مضمون کو پھیلانا کسی درجہ میں بھی کار آمد اور حق بجانب سمجھا جاتا۔

فاضل مضمون نگار نے بعض قرآنی آیات کا مفہوم بھی صحیح بیان نہیں فرمایا۔ چنانچہ سورۂ فرقان آیت ۶ میں لفظ سِرًّا۔ سورہ نمل آیت ۲۵ میں لفظ خَبْءَ اور آیت ۷۵، سورہ نمل میں لفظ غَائِبَۃٍ ان کے نزدیک تقریباً ہم معنی ہیں۔ جن کو سائنس کی زبان میں " قوانین فطرت " اور قرآن کی زبان میں " سِرّ " یعنی راز سربستہ کہا گیا ہے۔ حالاں کہ ان الفاظ کا قانونِ فطرت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان آیتوں میں ان الفاظ کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کے لئے تفسیر بیان القرآن ملاحظہ فرمائیں۔

سورۂ زمر آیت ۲۷ میں مِنْ كُلِّ مَثَلٍ کا مفہوم " ہر ایک مثال " نہیں ہے بلکہ " ہر قسم کے (ضروری) عمدہ مضامین ہے اور آیت ۲۵ سورہ نمل " اَلَّا يَسْجُدُوْا میں استفہام نہیں ہے۔ بلکہ اَلَّا، اَنْ اور لَا کا مجموعہ ہے جس کا ترجمہ " کہ نہیں " کرنا چاہیے تھا۔

فاضل مضمون نگار نے اس مضمون کی پہلی قسط میں یہ بھی فرمایا ہے کہ

" واضح رہے کہ قرآن حکیم کو سمجھنا بظاہر اگرچہ علوم جدیدہ یا علوم سائنس کے سمجھنے پر موقوف نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ان علوم میں کمال حاصل کر کے کتاب اللہ پر گہری نظر اس حیثیت سے ڈالی جائے کہ وہ ہر دور کے لئے ہدایت نامہ ہے تو اس کا معجزہ ہونا صاف ظاہر ہو جاتا ہے "۔ اس عبارت میں لفظ " بظاہر " فاضل مضمون نگار کے اس خیال کی غمازی کر رہا ہے۔ کہ درحقیقت قرآن حکیم کو بغیر علوم جدیدہ میں کمال حاصل کئے ہوئے نہیں سمجھا جا سکتا اور اس کا موجودہ دور کے لئے ہدایت نامہ اور معجزہ ہونا بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ مضمون نگار کا یہ خیال ڈاکٹر بکائی صاحب کے خیال سے مشابہ ہے صرف فرق اتنا ہے کہ ایک مسلم ہونے کی وجہ سے انہوں نے اسے ذرا دبی زبان میں ظاہر کیا ہے

ورنہ مطلب ان کا بھی یہی ہے کہ اسلاف نے مع حضورؐ، صحابہ کرامؓ اور جملہ ائمہ مفسرین کے علوم جدیدہ سے ناواقفیت کی بنا پر معاذ اللہ قرآن کو کما حقہ نہیں سمجھا۔ چنانچہ "البلاغ" بابت ماہ جون ۱۹۸۱ء صد ۲۲ پر وہ فرماتے ہیں

"ہمارے ذخیرہ تفاسیر میں بھی اس سلسلہ میں بہت سے حقائق اور اصولی اعتبار سے بہت کارآمد نکات ملتے ہیں جن کو ہم بنیاد بنا کر جدید علوم کی روشنی میں مزید تشریح و تفصیل پیش کر سکتے ہیں۔ اس طرح ہم پر اپنے سلف صالحین سے ہٹنے اور کجروی پیدا کرنے کا الزام بھی عائد نہ ہوگا[1]۔ پچھلے دور میں چونکہ سائنسی علوم کی تحقیق و تدوین اس طرح نہیں ہو سکی تھی جس طرح کہ عصر جدید کا خاصہ ہے اس لئے ہمارے مفسرین نے اس سلسلہ میں تفصیلی بحث نہیں کی"

غرض انہوں نے اقوال سلف کی مزید تشریح و تفصیل کی آڑ میں علوم جدیدہ کی روشنی میں تفسیر کرنے کا جواز پیدا کر لیا مگر اس سے علوم جدیدہ سے ناواقف جملہ مفسرین (جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں) کے متعلق جو خیال بنتا ہے اس پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ ان کا یہ فرمانا بھی صحیح نہیں کہ علوم جدیدہ میں کمال حاصل کر کے کتاب اللہ پر گہری نظر ڈالی جائے تو اس کا معجزہ ہونا صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ علوم جدیدہ میں کمال حاصل کرنے کے لئے بڑی مدت چاہئے۔ ایسے لوگوں کو باقاعدہ علوم دین پڑھنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ ہم نے تو آج تک کوئی ایسا شخص دیکھا تو کیا سنا بھی نہیں جس نے طبیعات، کیمیا، حیاتیات، فلکیات، موسمیات، علم طبقات الارض وغیرہ درجہ کمال تک پڑھے ہوں۔ اور پھر باقاعدہ علوم دین بھی پڑھے ہوں۔ اور شاذ (ہزاروں میں ایک) کوئی پڑھے بھی تو تو چونکہ اس کا زاویہ نظر بدل جاتا ہے اس لئے وہ قرآن کی آیتوں کو کھینچ تان کر علوم جدیدہ کے مطابق بناتا ہے جیسا کہ ہم نے تین مسلم سائنسدانوں کی تفسیری کوشش کے نمونہ اوپر پیش کئے ہیں اور اگر کسی آیت کے بین طور پر واضح المراد ہونے کے سبب ایسا نہ کر سکے تو بہتر تشریح و تفصیل کی آڑ لے کر بالکل بلا ضرورت تفسیر میں علوم جدیدہ کو ٹھونستا ہے جیسا کہ فاضل مضمون نگار نے کیا ہے۔

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ قرآن (یعنی تفسیر) کو فلسفہ اور منطق پڑھنے سے پہلے پڑھنا چاہئے۔ جب کہ ذہن اپنی سادہ طبیعی حالت پر ہو۔ ورنہ ان علوم سے ذہنی ساخت بدل جانے پر قرآن کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے اور بخیال احقر علوم جدیدہ مدت تک پڑھنے کے بعد تو قرآن کو سمجھنا اور بھی مشکل ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے دینی علوم پڑھے اس کے بعد علوم جدیدہ پڑھے تنقید کے ساتھ مگر ان کو تفسیر میں قطعی داخل نہ کرے۔

قرآن مجید میں سائنسی حقائق کی طرف اشارے اور ان کے متعلق مسلم سائنسدانوں کا صحیح طرز عمل | غرض قرآنی

---

[1] کی تشریح میں فٹ نوٹ میں فرماتے ہیں۔

آیات کی تفسیر میں سائنس کو داخل کرنا تو بوجوہ ناپسندیدہ بلکہ مضر ہے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ قرآن مجید کی بعض آیتوں سے سائنسی نظریات و تحقیقات کی طرف جلی یا خفی اشارے ضرور ملتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ آسمان دھوئیں جیسی چیز سے بنائے گئے ہیں (۱۱/۴۱) سائنس کی تحقیق، جو محض قیاس پر مبنی ہے، بھی یہی ہے کہ نہ صرف آسمان بلکہ ساری ہی کائنات کا مادہ ابتدا میں ایک قسم کی انتہائی گرم گیس کی شکل میں تھا۔ اگرچہ آسمان کی حقیقت دونوں میں ایک نہیں معلوم ہوتی۔ یعنی اہلِ سائنس زمین کے علاوہ جملہ ستاروں، سیاروں اور کہکشانوں وغیرہ کو آسمان مانتے ہیں اور ان کے علاوہ آسمانوں کے اپنے مستقل وجود کے قائل نہیں۔

۲۔ قرآن کی متعدد آیتوں سے کائنات کی تخلیق ثابت ہے (مثلاً ۴/۵۴) اور اگرچہ بعض سائنٹسٹ کائنات کا شروع اور آخیر نہیں مانتے۔ تاہم بعض مثلاً البرٹ آئنسٹین اور جارج گیمو کائنات کے ازلی و ابدی ہونے کے بجائے اس کی تخلیق کے قائل ہیں۔

۳۔ چاند، سورج (اور اسی طرح تمام اجرام فلکی) کے حساب سے اپنے اپنے مدار میں چلتے رہنا (۳۳/۲۱، ۳۶/۴) یہ چیز سائنس سے بخوبی ثابت ہے۔

۴۔ سورج کا ایک مستقر ہے جس کی طرف وہ برابر چل رہا ہے (۳۶/۳۸) موجودہ علم فلکیات بھی سورج کا مستقر مانتا ہے۔ بلکہ اپنے خیال سے ماہرین فلکیات نے اس مقام کی نشاندہی بھی کر لی ہے۔ اور اس کا نام "راس شمسی" رکھ دیا ہے گو وہ قرآن کے مطابق نہ ہو۔

۵۔ آیات ۱۶/۱۵، ۳۱/۲۱، اور ۳۱/۱۰ میں تخلیق جبال کی یہ حکمت بیان فرمائی گئی ہے کہ کہیں زمین تم لوگوں کو لے کر ہلنے اور ڈگمگانے نہ لگے۔ اس سے اس کے متحرک ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ احقر کے خیال سے چونکہ سطح زمین کے تین چوتھائی رقبہ میں گہرا سمندر ہے اور پانی اس مادہ سے ہلکا ہے جس سے باقی ایک چوتھائی رقبہ قشر زمین کا اپنی پوری جسامت میں بنا ہے۔ یعنی مٹی وغیرہ کے مقابلے میں، اس لئے اگر بھاری بھاری پہاڑ پہاڑیاں نہ بنائی جاتیں تو زمین کا مرکز ثقل کرہ کے اصل مرکز سے ہٹا ہوا ہوتا ہے جس سے حرکت کے وقت توازن باقی نہ رہتا۔ اور اضطراری زلزال یا ڈگمگاہٹ پیدا ہوتی۔ اس سے زمین کے بھی دوسرے اجرام فلکی کی طرح اپنے مدار میں سفر کرتے رہنے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ یوں بھی چونکہ زمین اجرام فلکی کی طرح ایک کرہ ہے اس لئے گھومنے میں ان کے مشابہ ہوتے پر عقلی استدلال پکڑا جا سکتا ہے۔

۶۔ قرآن نے سورج کو سِرَاجٌ وَّہَاج (دہکتا ہوا چراغ) اور چاند کو محض "نورانی" کہا ہے (۱۰/۵، ۲۵/۶۱، ۷۱/۱۶، ۷۸/۱۳) جس سے یہ اشارہ نکل سکتا ہے کہ چاند خود روشن نہیں بلکہ اس کی روشنی سورج سے مستعار ہے۔

۷۔ انسان کی پیدائش اچھلتے ہوئے پانی (مآءٍ دافِقٍ) یعنی مادہ منویہ سے ہوتی ہے۔ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے

نکلتا ہے۔ یہ بیان جدید طبی تحقیق کے مطابق ہے۔

۸۔ پیدائش انسان کی تفصیل یعنی جنین کا مختلف حالتوں سے گزرنا (۲۳/۱۲ تا ۱۴) اس کی بھی طبی سائنس تصدیق کرتا ہے۔

۹۔ قرآن میں بادلوں کو پُر آب کرنے والی ہواؤں (لَوَاقِح) کا ذکر ہے (۱۵/۲۲) جس سے بارش ہونے کے طریقہ پر روشنی پڑتی ہے نیز ۸۰/۲۵ میں صَبَبنا الماءَ صَبًّا سے پانی کا عجیب طور سے برسنا معلوم ہوتا ہے۔ جس سے بارش کے متعلق پوری سائنسی معلومات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

۱۰۔ قرآن میں رات و دن کے تواتر اور ان کے گھٹنے بڑھنے کا بیان ایسے الفاظ میں ہوا ہے جن سے زمین کی محوری گردش کی طرف کھلا اور اس کے محور کے جھکاؤ کی طرف خفی اشارہ ملتا ہے۔ جیسا کہ نمبر ۳ میں بالتفصیل بیان ہوا۔

۱۱۔ قرآن کی بہت سی آیتوں میں قیامت کے حالات بیان ہوئے ہیں خصوصاً سورۂ تکویر اور سورۂ انفطار کی شروع کی آیتوں میں سائنسدان بھی قیامت کا امکان تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے وقوع کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کر سکے۔ جو حالات ان دونوں سورتوں میں بیان ہوئے ہیں ان کا بھی ممکن ہونا قیامت کی بعض صورتوں میں انہیں تسلیم ہے۔

ڈاکٹر بکائی کے نزدیک ان کے علاوہ بھی بعض امور ایسے ہیں جن میں قرآن کا بیان اپنے زمانہ کے مروجہ خیالات سے مختلف اور موجودہ سائنسی انکشافات کے مطابق ہے۔ مثلاً بارش کے پانی کا ایک حصہ کا نباتات کا نشو و نما کرتے ہوئے زمین کی گہرائیوں میں اتر کر محفوظ رہنا (۲۳/۱۸، ۱۹) جیسا کہ کنوؤں اور چشموں کی شکل میں ہم دیکھتے ہیں۔ آبی دورہ کے متعلق صحیح معلومات ۱۵۸۰ء میں حاصل ہوئی ہیں۔ مگر قرآن کے اس قسم کے بیان کی قدر صرف ایسے لوگوں پر واضح ہو سکتی ہے جو ڈاکٹر بکائی کی طرح ان امور کی تاریخ تلاش کر کے زمانہ نزول قرآن نیز اس سے پہلے اور پچھلے زمانہ کے لوگوں کے خیالات معلوم کر سکتے ہوں۔ اس لئے فہرست بالا میں ہم نے ایسے امور کو نہیں لیا۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ دیندار مسلم سائنسدانوں کو چاہیئے کہ قرآن مجید سے ایسے تمام اشاروں کی ایک مفصل و مشرح فہرست تیار کریں اور اس کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے ثبوت میں منجملہ دوسرے ثبوتوں کے غیر مسلموں پر تبلیغی و دعوتی [illegible] سے پیش کریں۔ یہ ایک بڑی دینی خدمت موجب اجر عظیم ان شاء اللہ ہوگی۔ ان کا یہ کام نہیں کہ وہ قرآن مجید کی دینی آیات کی صداقت علوم جدیدہ کے نظریات و انکشافات کی روشنی میں جانچیں۔ کیونکہ مسلم ہونے کی حیثیت سے وہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ البتہ ایک غیر مسلم کو ایسا کرنے کا پورا حق ہے، اور ہمیں بھی اُسے اس کام کی ترغیب اور جو مدد اس میں ممکن ہو دینا چاہیئے۔

کوٹیشن

زیر دستخطی کو مندرجہ ذیل مال کی فراہمی کے لئے سربمہر کوٹیشن مطلوب ہیں جو کہ زیر دستخطی کو مورخہ ۱۸-۱-۸۷ بوقت بارہ بجے دوپہر تک پہنچ جانا لازمی ہے۔

نمبر شمار	تفصیل مال	تعداد	زربیعانہ	کیفیت
۱-	خاردار تار ۱۴ گیج	۲۵ میٹرک ٹن	مبلغ ۱۵۰۰۰/- روپے	بغیر لکڑی کے
۲-	پولے لمبائی ۵ تا ۵½ فٹ قطر ۳ تا ۵ انچ چھوٹے سرے پر	۱۰۰۰۰ تعداد دس ہزار	مبلغ ۵۰۰۰/- "	ازقسم ایلنتھس۔ بکائن پاپلر۔ شیشم۔ توت۔ کیکر کہو کے ہونے چاہئیں

۳- نرخ پولز فی سینکڑہ اور خاردار تار فی میٹرک ٹن کے حساب سے دینا ہوگا۔

۴- تعداد میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔

۵- مال زیر دستخطی کو بمقام تیمر گرہ پہنچانا لازمی ہوگا۔

۶- کوٹیشن دہندہ کو زربیعانہ کال ڈیپازٹ کی صورت میں اپنے کوٹیشن کے ساتھ منسلک کرنا ہوگا۔ بصورت دیگر کوٹیشن قابل قبول نہ ہوگا۔

۷- زیر دستخطی کسی بھی کوٹیشن کو بلا وجہ بتائے منظور یا نامنظور کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

۸- مزید معلومات دفتر ہذا سے کسی بھی وقت دفتری اوقات کار میں حاصل کر سکتے ہیں۔

دستخط

مہتمم جنگلات

ضلع دیر۔ بمقام تیمر گرہ

(INF (P) 54)

پبلک نوٹس نمبر ۸۷/۱

سرکاری شعبہ سے تعلق رکھنے والے ایک ادارہ کو مندرجہ ذیل افراد کی ضرورت ہے۔

(i) سنیئر ٹیکنیشن (الیکٹریکل/مکینیکل)

شرح تنخواہ ۱۰۰۰ - ۵۰ - ۲۰۰۰ روپے

قابلیت و تجربہ۔ کسی تسلیم شدہ پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ سے ۳ سال کا ڈپلومہ آف ایسوسی ایٹ انجینیرنگ (الیکٹریکل/ مکینیکل) نیز کم از کم ۳ سال کا عملی تجربہ جو متعلقہ کوالیفکیشن کی تکمیل کے بعد حاصل کیا گیا ہو۔

(ii) ٹیکنیشین - I (الیکٹریکل)

شرح تنخواہ۔ ۸۵۰ - ۳۵ - ۱۵۵۰ روپے

قابلیت و تجربہ۔ کسی تسلیم شدہ پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ سے ۳ سال کا ڈپلومہ آف ایسوسی ایٹ انجینیرنگ (الیکٹریکل)

(iii) ٹیکنیشن - II (کیمیکل)

شرح تنخواہ۔ ۶۵۰ - ۲۵ - ۱۱۵۰ روپے

قابلیت و تجربہ۔ انٹر (سائنس) نیز کسی ممتاز ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ سے کیمیکل انجینیرنگ میں ڈپلومہ (ترجیحاً دو سال) تاہم ووکیشنل سرٹیفکیٹ اور متعلقہ تجربہ کی بنیاد پر مقررہ تعلیمی قابلیت میں رعایت کرتے ہوئے تقرری پر غور کیا جا سکتا ہے۔

(iv) سائنٹیفک اسسٹنٹ - II (فزکس/کیمسٹری/میتھمیٹکس)

شرح تنخواہ۔ ۶۵۰ - ۲۵ - ۱۱۵۰ روپے

قابلیت۔ انٹر سائنس (ترجیحاً فرسٹ کلاس)

درخواستیں مکمل تفصیلات کے اندراج نیز تصدیقات، قومی شناختی کارڈ کی عکسی نقول اور تین عدد پاسپورٹ سائز تصاویر کے ساتھ مع دستخطی کو ۵ فروری ۱۹۸۷ء تک حتمی طور پر ارسال کر دی جائیں۔ ملازمت کرنے والے افراد لازماً متعلقہ محکمہ کے توسط سے درخواستیں دیں۔

مذکورہ بالا اسامیوں کے لئے عمر کی بالائی حد ۳۵ سال ہے۔

(دستخط) ایڈمنسٹریٹر

پی او بکس نمبر ۱۳۳۱ - اسلام آباد

P.I.D(ISLAMABAD) 3623/47